ردّ عیسائیت کے حوالے سے علمائے کلام کے اسالیب کا ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ

ضیاء الحق*

Abstract

Review of Stylistic Analysis of Muslim *Mutakallim┘n* in Response to Christianity

With the advent of Islam, an idialogical conflict has arisen amongst the scholarly people of Christianity and Islam. The *Qur'┐n* time and again refutes the false and self-febricated idiologies and criticizes the Jews and Christians. The Muslim scholars have rejected the false ideologies of Christianity in all ages. For this, they have used various stylistic techniques and resourses. In this aricle an analytical study of these stylistc techniques has been attempted that the students of comparative study of relegions may find helpful.

Keywords: *Ilm al-Kal┐m*; *Mutakallim┘n*; Islam; Christianity; Debate; Polemics.

ظہورِ اسلام کے ساتھ ہی عیسائیت اور اسلام کے درمیان نظریاتی معرکوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ قرآن پاک نے جگہ جگہ الوہیت مسیح اور تثلیث وغیرہ کے حوالے سے من گھڑت اور خلاف فطرت نظریات کو بنیاد بنا کر نصاری کی بھرپور مذمت کی ہے۔ یوں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والا نظریاتی معرکہ شروع ہو گیا جو آج تک جاری ہے۔ مسلمان ماہرین نے ہر زمانے میں عیسائیت کے باطل نظریات کا رد کیا ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے مختلف قسم کے اسالیب اور وسائل کا استعمال کیا ہے اور عیسائیت کے کئی ایک مراجع کا تنقیدی جائزہ لیا۔ درج ذیل سطور میں ہم ان اسالیب اور مراجع کو ذکر کر کے ان کا تنقیدی جائزہ پیش کریں گے جنہیں مسلمان ماہرین نے رد عیسائیت کے حوالے سے بنیاد بنایا۔

مسلمانوں کے ہاں تنقیدی منہج کی ابتداء

تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے مسلمانوں نے اخبار و روایات کی تنقیح و تحلیل کے لیے ایک دقیق علمی منہج کی داغ بیل ڈال دی جیسا کہ رحمت اللہ ہندی نے فؤاد سزکین کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ "تنقیدی منہج دراصل اسلامی معاشرے کا خاصہ ہے، اس کے علاوہ دوسرے معاشروں میں ہمیں اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی"۔[1] چونکہ مسلمان قرآن وحدیث کو تحریف سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے اس وجہ سے انھوں نے سند حدیث اور تنقیح متن کے حوالے سے کچھ اصول وضع کئے اور راویوں پر جرح و تعدیل کے لیے قاعدے مقرر کئے۔ چنانچہ حدیث کے حوالے سے بننے والے اس تحقیقی منہج نے بعد میں علمی، تاریخی اور جغرافیائی امور کا بھی احاطہ کر لیا۔ اور یوں تنقیدی منہج کی ابتداء مسلمانوں سے شروع ہوئی۔ بعد ازاں، یہ منہج اور اسلوب دوسرے مذاہب کے تقابلی مطالعے کے حوالے سے بھی اختیار کیا گیا۔

ردِ عیسائیت کے حوالے سے منتخب مراجع

متکلمین کی عبارات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے رد عیسائیت کے حوالے سے عمومی طور پر عہد نامہ جدید کو اپنی تنقید کا محور بنایا۔ البتہ عہد نامہ جدید کے حوالے سے بھی اگر بغور دیکھا جائے تو اناجیل اربعہ خصوصی طور پر مسلمان علماء کے تنقیدی آراء کی زد میں رہے۔ اناجیل کے مندرجات کو سمجھنے کے لیے ان حضرات سے استفادہ کیا گیا، جو اہل کتاب تھے اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ چنانچہ ان کی اکثر کتابوں میں "أخبرني من أسلم منهم" اور "قال لي أحد

* ریسرچ ایسوسی ایٹ/لیکچرر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پشاور

رؤسائهم" وغیرہ کے الفاظ ملتے ہیں۔ ان علماء کی جانب سے اناجیل کو موضوعِ بحث بنانے کی کئی ایک وجوہات تھیں مثلاً:

1. مسلمانوں کے نقطہ نظر میں عیسائی مذہب کی بنیاد اناجیل پر ویسے ہی قائم تھی جس طرح مسلمانوں میں قرآن کی منزلت ہے۔ لہٰذا انھوں نے اناجیل کو موضوعِ بحث بنایا تاکہ عیسائیت کی بنیادوں پر کاری ضرب لگائی جاسکے۔
2. اناجیل کی عبارات میں حضرت عیسیٰؑ کو صراحت کے ساتھ انسان اور رسول کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے دارآنحالیکہ عہد نامہ جدید کی دوسری کتابوں میں ان کی شخصیت کے حوالے سے مبہم قسم کے الفاظ وارد کئے گئے ہیں۔ کہیں خدا، کہیں بیٹا، جبکہ کہیں انہیں انسانیت کے کفارے کے لیے سولی پر چھڑنے کا تذکرہ ہے۔ جیسا کہ اہل روم کے لیے سینٹ پال کی طرف سے دیئے گئے اس پیغام میں ہے: "جب ہم نے اللہ کے ساتھ اس کے بیٹے کی قربانی پر صلح کرلی۔ اس حال میں کہ ہمارے درمیان دشمنی تھی۔ تو اب ہمارے درمیان صلح بدرجہ اولی ہونی چاہیے۔ یہی نہیں بلکہ ہم اپنے رب یسوع مسیح پر فخر کرتے ہیں۔ جن کی برکت سے ہمارے درمیان صلح ہوگئی"۔[2]
3. عہد نامہ جدید کا اکثر حصہ سینٹ پال کے رسائل پر مشتمل ہے۔ اس وجہ سے مسلمان اسے انہیں تسلیم نہیں کرتے اور سینٹ پال کو مسیحیت کا محرفِ اول سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک سینٹ پال کے تمام رسائل من گھڑت ہیں۔ وہ عیسائی جو سینٹ پال کو رسول قرار دیتے ہیں، مسلمان اسے کو قطعاً تسلیم نہیں کرتے۔ نتیجتاً وہ ان رسائل سے بحث ہی نہیں کرتے۔
4. اناجیل کے مطالعے کا بنیادی مقصد اکثر علمائے کلام کے ہاں رسول ﷺ کی نبوت سے متعلق بشارتوں کا تلاش کرنا تھا۔ چونکہ عہد نامہ جدید کے دوسری کتب ایسی بشارتوں سے خالی تھیں لہٰذا وہ انہیں زیرِ بحث لانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔
5. اس کے علاوہ اس وقت عہد نامہ جدید اس طرح مرتب اور مجلد انداز میں نہیں تھا، جس طرح آج ہے۔ بلکہ اس کے مختلف اجزاء تھے۔ جن میں مختلف ابواب کو ذکر کیا گیا تھا۔ ان میں سے مشہور اجزاء اناجیل تھے۔ جو ہر جگہ دستیاب بھی تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں نے مشہور اور دستیاب چیز پر اکتفاء کرلیا۔

انجیل کے نصوص کے حوالے سے متکلمین کا نظریہ

قرآن پاک نے جگہ جگہ تحریف کو بنیاد بنا کر نصاری کی مذمت کی ہے۔ اور اس تحریف کی کئی صورتیں بھی بیان کی ہے جنہیں ابن قیم نے اپنی کتاب ہدایۃ الحیاری میں قلمبند کیا ہے، لکھتے ہیں:

> جہاں تک تحریف کی بات ہے تو اللہ سبحانہ وتعالی نے کئی مواضع پر اسے بیان کیا ہے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کتاب سے زبان کو اس طرح لپیٹ دینا کہ سامع یہ سمجھے کہ جو کچھ کہا جارہا ہے وہ کتاب میں سے ہے درآنحالیکہ وہ کتاب میں سے نہیں۔ تو گویا اس کی پانچ قسمیں ہوگئیں: پہلی قسم حق کو باطل کے ساتھ اس طور پر خلط ملط کرنا کہ حق اور باطل میں کوئی تمیز نہ ہوسکے، دوسری قسم حق کو چھپانا ہے، تیسری قسم حق کو پوشیدہ رکھنا یعنی کتمان حق ہے۔ چوتھی قسم کلام کی توڑ مروڑ ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک لفظی تحریف اور دوسری معنوی تحریف ہے۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ کلام کو اس طور پر گول کرنا کہ نازل شدہ الفاظ سامع کے ہاں کسی اور مفہوم سے مخلوط ہوجائیں۔[3]

اس سے معلوم ہوا کہ کتابِ مقدس کے اندر تحریف کے حوالے سے تقریباً علماء کا اجماع ہے، اس وجہ سے بعض

حضرات نے عہد نامہ قدیم اور جدید دونوں کو مکمل طور پر باطل قرار دیا ہے، جیسا کہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" میں بعض حنابلہ کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے۔[4]

تاہم ظاہر ہے کہ عہد نامہ جدید اور قدیم کو اس طور پر رد کرنا قرآن وسنت سے مخالف ہونے کی وجہ سے ایک شاذ قول ہے۔ کیونکہ قرآن کے اندر صراحت کے ساتھ مذکور ہے: ﴿ہم نے تورات نازل کی کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے اس پر پیغمبر جو اللہ کے فرمانبردار تھے یہود کو حکم کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی ...﴾[5] اس سے یہ معلوم ہوا کہ توراۃ اہلِ کتاب سے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعض احکامات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح انجیل کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اور چاہیئے کہ انجیل والے اس کے موافق حکم کریں جو اللہ نے اس میں اتارا ہے...﴾۔[6]

البتہ انجیل کے اندر ان متناقض آراء کو سامنے رکھتے ہوئے قابلِ قبول نظریہ یہی بنتا ہے کہ ان دونوں کتابوں کے اندر جزئی لحاظ سے تحریف ہوئی ہے۔ لہٰذا ان نصوص کے حوالے سے زیادہ وضاحت کے ساتھ عدمِ تحریف کا نظریہ اپنایا جاسکتا ہے جو نبی کریم ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔

چونکہ انجیل عبری زبان میں نازل ہوئی تھی، تو اس وجہ سے اہلِ کتاب مسلمانوں کے لیے عربی زبان میں اس کی تشریح کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کے پاس اس کلام کی صحت کو پرکھنے کے لیے کوئی معیار بھی نہیں تھا۔ چنانچہ شارع کی طرف سے اس کی بلا تحقیق تصدیق یا تردید سے منع کیا گیا۔ شاید ابن حزم کی رائے بھی یہی تھی۔ اس وجہ سے وہ لکھتے ہیں کہ قرآن وسنت کی رو سے اگر توراۃ کی کسی بات کی تصدیق ہو جائے تو اسے ماننا پڑے گا۔ اور جس کی تردید ہو جائے تو وہ مسترد ٹھیرے گی۔ تاہم جس چیز کی قرآن وسنت میں صراحت کے ساتھ تصدیق یا تردید نہ ہوئی ہو تو اس کے بارے میں سکوت کیا جائے گا۔[7]

ساتویں صدی ہجری تک انجیل کے حوالے سے یہی نقطہ نظر رہا۔ اس کے بعد زمانۂ تقلید میں بھی اس نقطۂ نظر میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ تاہم انیسویں صدی کے اوائل میں عیسائی دنیا کے ساتھ قربت کی وجہ سے عیسائیت کے حوالے سے مسلمانوں کی معرفت وسیع ہو گئی۔ اور وہ براہِ راست کتاب مقدس کے حوالے سے اہل یورپ کے تنقیدی منہج سے مستفید ہوئے، اور جدید نہج پر ہونے والے تقابلِ ادیان کے ابحاث کا مطالعہ کیا۔

یورپ کے اندر عیسائیت کے حوالے سے اس نہج پر ہونے والی کاوشوں نے کئی ایک نظریات کو جنم دیا۔ جن میں سے بعض نہایت تشدد آمیز نظریات بھی تھے مثلاً اس تحقیقی منہج کی رو سے بعض حضرات نے عیسیٰؑ کو ایک افسانوی شخصیت قرار دیا اور یہ کہا کہ دراصل عیسائی مذہب ہی ایک افسانہ ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے مذہب کے حوالے سے بھی منطقی ثبوتیت (Lagical Positivism) کے طریقے کا سہارا لیا، تو اس وجہ سے وہ معجزاتِ مسیح مثلاً بغیر باپ کے ولادت، احیائے موتی اور مہد میں ان کی گفتگو وغیرہ کی عقلی توجیہ کرنے سے قاصر رہے۔ تاہم دعوتِ عیسوی سے متعلق دریافت ہونے والے بعض آثارِ قدیمہ اور عیسائی مذہب کی شہرت و وسعت سے اس نظریے کی تردید ہو گئی۔ کیونکہ افسانوں پر مبنی مذہب کا اس قدر مقبولِ عام ہو جانا بھی منطقی ثبوتیت کے منافی تھا۔ اس وجہ سے اسی دور کے اندر عیسائیت کی تشریح کے لیے بعض دوسرے نظریات بھی سامنے آگئے۔ جن میں رینن کا نظریہ کافی مشہور ہوا۔ جس کی رو سے عیسیٰؑ کا وجود اور ان کی رسالت ثابت ہوئی۔ ان کے مطابق عیسائیت دراصل خدا (باپ) کی عبادت کی طرف دعوت تھی۔[8]

تاہم اس منہج کے تحت بننے والے تمام معتدل نظریات باہم اختلاف کے باوجود عیسائی مذہب کے ظہور کے

حوالے سے کم و بیش درج ذیل نکات پر متفق تھے:

1. عیسائی مذہبی لٹریچر کے اندر تحریف تنقیدی، لغوی اور تاریخی اعتبار سے ایک ثابت شدہ امر ہے جس کا عیسائیوں میں سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔
2. الوہیتِ مسیح کے حوالے سے اناجیل کی عبارات ناکافی ہیں حتی کہ موجودہ شکل میں بھی اناجیل سے عیسیٰؑ کی الوہیت مکمل طور پر ثابت نہیں ہوتی۔
3. عیسیٰؑ دراصل حضرت مریم کے شکم سے ابن یوسف نجار کے بیٹے ہیں۔
4. صلیب کا واقعہ ایک درست واقعہ ہے جو عیسیٰؑ کے ساتھ پیش آیا اور اسی میں وہ اس دنیا سے چلے گئے۔
5. عیسائیت کی موجودہ شکل عیسیٰؑ کے بعد آنے والوں کی وضع کردہ ہے اور اس عمل میں سینٹ پال، چرچ اور افسانوی افکار کا حصہ ہے۔

عیسائیت کے تقابلی مطالعے کے حوالے سے اس نہج پر ہونے والی ان جدید تحقیقات سے مسلم سکالرز بھی کافی حد تک متاثر ہوئے۔ کیونکہ جب انھوں نے یہ دیکھا کہ عیسائی مذہبی سکالرز اپنی ہی تحقیقات کے روشنی میں مسلمانوں کے بعض عقائد اور عیسیٰؑ کے حوالے سے ان کے نقطہ نظر کی تائید کر رہے ہیں تو انھوں نے ان تحقیقات کو ابتداء قبول کرتے ہوئے انہی دلائل کی روشنی میں بحث کو مزید آگے بڑھای اور عیسائیت کی تردید میں انہیں دلائل کو اپنی تنقید کی بنیاد بنایا۔ جیسا کہ موجودہ صدی میں رحمت اللہ ہندی کی کتاب "اظہار الحق" اور شیخ عبدالوہاب نجار کی " قصص الانبیاء اس نہج پر لکھی گئی ہیں۔

تحریف کے علاوہ علمائے متکلمین نے رد عیسائیت کے حوالے سے درجہ ذیل امور کو زیرِ بحث لایا ہے:

1- الوہیت مسیح	2- بنوّتِ مسیح	3- عقیدہ کفارہ
4- عقیدہ تثلیث	5- مسیحی فرقے	6- نبوت عیسیٰؑ

البتہ قدیم علمائے متکلمین مثلاً قاسم بن ابراہیم حسینی، جاحظ، امام الحرمین جوینی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں رد عیسائیت کے حوالے سے ان تمام مسائل کو نہیں چھیڑا ہے، بلکہ انھوں نے ان مسائل پر اکتفاء کیا ہے، جو ان کے ہاں اہم تھے۔ البتہ چھٹی صدی ہجری کے بعد یہ مسائل مستقل موضوع کی حیثیت سے متکلمین کی کتابوں کی زینت بنے رہے۔

رد عیسائیت کے حوالے سے متکلمین کے اسالیب

1. اسلوبِ محدثین

اناجیل پر خارجی تنقید کے حوالے سے علمائے کلام نے محدثین کا اسلوب اختیار کیا۔ چنانچہ اس رو سے انھوں نے اناجیل کے مصادر، واضعین، مؤلفین، تاریخ روایت اور راویوں کے درمیان معاصرت وغیرہ پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔[9]

اس اسلوب کی رو سے مسلم علمائے کلام نے اناجیل پر تنقید کے لیے انہیں قواعد اور اصولوں کو مدِ نظر رکھا جو احادیث کی جرح و تعدیل کے لیے وضع کئے گئے تھے۔ چنانچہ اس اسلوب کی رو سے متکلمین نے کہیں پر راویوں کے عدم ثقہ ہونے اور کہیں پر تواتر کے شرائط مفقود ہونے کی وجہ سے ان کے عدم صحت کو ثابت کیا... نیز متن کے حوالے سے انجیل کے بعض الفاظ و فقرات میں تناقض کو ظاہر کرکے یہ بتادیا کہ ایسی متعارض تصنیف کتاب اللہ نہیں ہو سکتی۔ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ کیجئے:

راویوں پر تنقید

اناجیل کے راویوں پر تنقید کرتے ہوئے متکلمین نے یہ نکتہ اٹھایا کہ انجیل کی تدوین عیسیٰؑ کی زندگی میں نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھائے جانے کے ایک عرصہ بعد مدون ہوئی جس دوران رواۃِ اناجیل سے بعض روایات کا بھول جانا ایک فطری امر ہے۔ اگرچہ تاریخی طور پر کسی بھی انجیل کے زمانہ تالیف کی تحدید نہیں ہو سکی تاہم ابن حزم ابن بطریق سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ مسیحیوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ پہلی انجیل "متی" نے عیسیٰؑ کے اٹھائے جانے کے نو سال بعد عبری زبان میں تحریر کی تھی۔اس کے بعد "لوقا" نے "انجیل لوقا" کو عبری زبان جبکہ "انجیل یوحنا" رفعِ عیسیٰؑ کے ساٹھ سال بعد لکھی گئی۔[10]

دوسری طرف متکلمین یہ نکتہ بھی اٹھاتے ہیں کہ عیسیٰؑ کی زندگی میں ان کے حواریوں کی تعداد 120 سے زیادہ نہ تھی۔ نیز خوف کی وجہ سے وہ روپوش اور اکٹھا ملنے سے قاصر تھے۔اس حالت میں تقریباً تین سو سال کا عرصہ گزر گیا اور نتیجتاً پہلے اور دوسرے طبقے میں رواۃِ انجیل بہت ہی کم رہ گئے۔ ابن حزم کہتے ہیں : "دینِ نصاریٰ کے سارے ناقلین راجح قول کے مطابق تین ہی ہیں..."۔[11] آگے جا کر لکھتے ہیں : پہلے اور دوسرے طبقے میں رواۃ کی قلّت کی وجہ سے روایت میں خلل آگیا، چنانچہ اس کو بنیاد بنا کر اگر روایت کو مکمل طور پر رد نہ بھی کیا جائے تب بھی ایسی کمزور روایات پر عقائد کی بنیاد رکھنا محلِ نظر ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب راویوں کے مابین معاصرت اور ملاقات دو شرطین متحقق ہوں۔ چہ جائیکہ سینٹ پال جس کا شمار ہی دوسرے طبقے میں ہوتا ہے۔اور حواریوں کے ساتھ نہ کوئی معاصرت ہے اور نہ ملاقات ثابت ہے۔[12]

اس محدثانہ اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے مسلم سکالرز نے انجیل کے روایاتی طرق کو محل نظر قرار دیا اور اس میں مزید ترقی کرتے ہوئے انجیل کے متن میں موجود تعارض کو بھی آشکارہ کیا۔البتہ انھوں نے زیادہ تر نسب مسیح، نبوت مسیح اور واقعہ صلیب کے اندر واقع تعارض کو زیادہ موضوعِ بحث بنایا ہے۔نسب سے متعلق انجیل یوحنا اور انجیل لوقا کے عبارات میں تعارض کی ایک مثال یہ ہے کہ انجیل یوحنا کے مطابق یوسف نجار اور ابراہیمؑ کے درمیان زمانہ 42 جبکہ لوقا کے مطابق یہ زمانہ 54 پشتوں پر محیط ہے۔[13]

اناجیل کی اسناد اور عبارات میں اس قسم کا تعارض متکلمین کے ہاں انجیل کے متن کو مکمل طور مشکوک بنا دیتا ہے۔پس یہ ضروری ہے کہ عیسیٰ بن مریمؑ کی شخصیت کے حوالے سے کسی ایسی کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔ جو اس قسم کے تعارضات سے پاک ہو۔ چنانچہ یہ قرآن پاک ہی ہو سکتا ہے۔جو کسی بھی تحریف اور تعارض سے مکمل طور پر مبرا کتاب ہے۔

اسلوب بیانی

اناجیل کے نصوص پر تنقید کے حوالے سے اسلوب بیانی ایک بہت ہی اہم اسلوب رہا جس کی رو سے نص کو اندرونی طور پر جانچا اور نصوص کے باہمی تعارض کو آشکارا کئے جانے کے علاوہ اسکا مختلف علمی اور تاریخی حقائق سے موازنہ کیا جاتا ہے۔[14]

اس حوالے سے ڈاکٹر عبدالرحمٰن بدوی کہتے ہیں کہ اگلے مرحلے میں نص کے حوالے سے پہلا سوال یہ بنتا ہے کہ مذکورہ نص سے کیا مراد ہے؟ دوسرا سوال نص کے حوالے سے یہ ہے کہ کیا اس کے راوی کا اس پر ایمان تھا؟ تیسری بات یہ کہ اس نص کے حوالے سے اس کا ایمان سچا بھی تھا یا نہیں؟[15]

اکثر متکلمین نے نقدِ اناجیل کے حوالے سے اسلوب بیانی کو زیادہ اہمیت دی ہے۔اس کی رو سے پہلے مرحلے میں متکلمین اناجیل کی عبارات کو درست فرض کرتے ہیں ۔ پھر اُن عبارات کو جمع کرتے ہیں جن کے ظاہر سے الوہیتِ مسیح کا وہم ہوتا ہے۔ دوسرے مرحلے میں ان عبارات کا موازنہ انجیل ہی کے بعض ان عبارات سے کرتے ہیں جو مسیحؑ کی بشریت اور رسالت پر دلالت کرتی ہیں۔چنانچہ الوہیتِ مسیح کے دعوی کے بطلان کے ساتھ ہی تثلیث، صلیب اور کفارہ جیسے عقائد کی بنیادیں بھی متزلزل اور اس طرح مسیحیت کی عمارت مکمل طور زمین بوس ہو جاتی ہے۔یہ اسلوب اگرچہ ایک پر خطر اسلوب ہے۔تاہم اپنی سادگی اور آسانی کی وجہ سے اکثر متکلمین کے ہاں رائج رہا جن میں قاسم بن ابراہیم الحسینی بھی شامل ہیں جنہوں سے سب سے زیادہ اسلوبِ بیانی پر اعتماد کیا ہے۔[16]

امام غزالی جو اس فن کے شہسوار سمجھے جاتے ہیں۔اسلوب بیانی سے متعلق دو قاعدے بیان کرتے ہیں :

- پہلا قاعدہ یہ ہے کہ تفسیر کے مقام پر نصوص جب تک عقل سے متصادم نہ ہوں تو انہیں ظاہر پر محمول کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ نصوص عقل سے متصادم ہوں تو اس وقت ان کی تاویل کرکے ان کے مجازی معانی مراد لئے جاتے ہیں۔[17]
- اگر دلائل میں تعارض واقع ہو جائے اور ان میں سے بعض کسی حکم کے ثبوت اور بعض نفی پر دلالت کرے۔ تو اس وقت انہیں تعارض کی حالت پر نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ حتی الامکان ان میں تطبیق یا ترجیح کی کوشش کی جائے گی۔[18]

ان دو قاعدوں کے ذکر کے بعد امام غزالی ان پر تفریع کرتے ہوئے اناجیل کے اندر ان عبارات کو پیش کرتے ہیں جن میں عیسیٰؑ کی بشریت کی صراحت ہے یا وہ عبارات جو عیسی کو بشری صفات یعنی کھانے پینے اور سونے وغیرہ سے متصف کرتے ہیں۔دوسری طرف ان عبارات کو پیش کرتے ہیں جو مسیح کی الوہیت پر دلالت کرتی ہیں۔پھر ان نصوص کے خلاف عقل ہونے نیز گزشتہ نصوص سے متعارض ہونے کی وجہ سے عقلی تاویل کرتے ہیں۔غزالی کے ہاں اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے :

"چنانچہ اس دن اور اس گھڑی کے بارے میں نہ کسی انسان کو کوئی علم ہے اور نہ آسمان میں فرشتوں کو اور نہ ہی بیٹے کو ماسوائے باپ کے "۔

انجیل کی اس عبارت کا مفہوم عیسائی حضرات کے ہاں یہ ہے کہ قیامت کی گھڑی کا ادراک ماسوائے باپ کے کسی کو نہیں ، تو گویا الہ نے ان تمام اشیاء کی حقیقت کو اپنے ساتھ مخصوص کر دیا۔ اور چونکہ بیٹا بھی الہ ہے اس وجہ سے یہ گھڑی ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ جبکہ امام غزالی کا خیال ہے کہ مذکورہ نص کی اس قسم کی تفسیر کرنا خلافِ ظاہر ہے۔ کیونکہ عبارت کا ظاہر یہ بتا رہا ہے کہ قیامت کی گھڑی کا علم ماسوائے اللہ تبارک وتعالی کے کسی کو نہیں۔اور اس عبارت سے حضرت عیسیٰؑ کی بشریت اور رسالت کا اظہار ہو رہا ہے۔ کیونکہ اگر آپ الہ ہوتے تو قیامت کے دن کا ضرور علم رکھتے۔ [19]

ابن حزم نے اپنی کتاب الملل والنحل میں اسلوب بیانی پر کافی اعتماد کیا ہے تاہم نصوص کے درمیان تعارض کو ظاہر کرنے کے ساتھ ابن حزم ان روایات کا موازنہ اس وقت تک ثابت ہونے والے تاریخی علوم نیز جغرافیا، علم فلک، علم حساب اور علم معادن کے مسلمات سے بھی کرتے تھے اور پھر ان کو ان ثابت شدہ اور مسلمہ حقائق سے متصادم قرار دے کر ان پر تنقید کرتے تھے۔[20]

نصوص کے انتخاب کے حوالے سے متکلمین کا شیوہ یہ رہا کہ وہ تنقید کے لیے عموماً ایسے نصوص کا انتخاب کرتے جس میں کسی قسم کی کوئی تاویل کی گنجائش نہ ہوتی۔تاہم جن نصوص کے اندر تاویل کی گنجائش ہوتی تو وہ ان سے بحث نہیں کرتے تاکہ اس اسلوب سے تردید میں کسی قسم کا کوئی سقم باقی نہ رہے۔ چنانچہ ابن حزم لکھتے ہیں : "اگر اس بات کے لیے کوئی دوسرا پہلو ہوتا یا کوئی اور مفہوم

ہونا چاہیے مبہم ہی سہی یا اس میں کسی حیلے یا تاویل کی گنجائش ہوتی تو ہم اس بات کو ذکر ہی نہ کرتے"۔[21] مزید لکھتے ہیں کہ: "اگر کسی روایت کی تخریج کسی دور کی تاویل سے بھی ہو جائے۔ تو ہم ان کی کتاب کی من گھڑت روایات میں اس کو شامل نہیں کریں گے"۔[22]

اسلوب عقلی

یہ اسلوب نصاری کے اپنے بعض عقائد کے حوالے سے نظریہ لامعقولیت کی بنیاد پر قائم کیا گیا (یعنی ان کا یہ گمان ہے کہ ان کے بعض عقائد مثلاً تثلیث وغیرہ ماوراء العقل ہیں جو انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتے)۔ متکلمین میں اس منہج کے زیادہ دلدادہ معتزلہ ہیں۔ کیونکہ وہ فکری لحاظ سے دینی امور کے اندر عقل کو حکم قرار دے کر تمام اشیاء کی عقلی توجیہ کرتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ محدثین کو بھی پسند نہیں کرتے۔ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عقل سے احادیث کی تنسیخ جائز ہے۔[23] جہاں تک منہجِ مفسرین کا تعلق ہے تو یہ اسلوب بھی معتزلہ کو پسند نہیں۔ چنانچہ جاحظ اپنی کتاب "الرد علی النصاری" میں لکھتے ہیں:

اور آپ ان کے اس قول کے بارے پوچھ لیں (یعنی بعض مسلمانوں کے اس قول کے بارے میں) کہ جب اللہ تبارک وتعالی نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو دوست چن لیا تو کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو بیٹا چن لے؟ چنانچہ متکلمین میں سے بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ اگر بیٹے کو لے پالک کے طور پر اور بغرضِ تربیت چنا گیا ہو تو وہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ بغرضِ تربیت کے بیٹا رکھنے اور لے پالک بنانے میں اور محبت والفت کی وجہ سے دوست رکھنے میں عقلاً کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ توراۃ اور انجیل میں اہلِ کتاب کا یہ دعوی درست ہے کہ جب مسیح نے کہا کہ (میں تمہارے اور اپنے باپ کے پاس جانے والا ہوں اور تمہارے اور اپنے خدا کے پاس جانے والا ہوں)۔ اور جہاں تک ہماری رائے ہے تو (اللہ آپ پر رحم کریں) ہم اللہ کے لیے اولاد کو نہ بصورتِ ولادت جائز قرار دیتے ہیں اور نہ بصورت لے پالک، کیونکہ اللہ تبارک وتعالی اگر یعقوبؑ کے لیے باپ کے مرتبے میں ہوئے تو یقیناً یوسفؑ کے لیے دادا کے مقام پر ہونگے۔ اور اگر خدا باپ اور دادا کے مقام پر پہنچے تو پھر چچا اور ماموں کے مرتبے میں بھی ہونگے۔[24]

درج بالا عبارت کے اندر جاحظ نے بعض متکلمین سے معتزلہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو اہل کتاب کے مذکورہ دعوی کی عقلاً توثیق کر رہے ہیں۔ حالانکہ عقل کو ان حساس امور میں حکم قرار دینا یقیناً ایک پر خطر معاملہ ہے۔ اسلوبِ عقلی کو اختیار کرنے والے متکلمین کے نزدیک مسیحؑ سے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ عقلاً محال ہے, چنانچہ جاحظ کہتے ہیں:

اگر آپ مسیحؑ کے اور خاص کر ان کی الوہیت کے حوالے سے ان کے عقیدے کو سمجھنے کے لیے اپنا پورا زور اور پوری عقل استعمال کریں تو پھر بھی آپ اسے نہیں سمجھ سکتے کجا کہ نصرانیت کی کوئی تعریف کرسکے۔ اور آپ اسے کیونکر سمجھ بھی سکتے ہیں؟ حالانکہ جب آپ ایک عیسائی سے عیسیٰؑ کے حوالے سے پوچھیں تو وہ ایک جواب اور بعد ازاں اسکے سگے بھائی سے پوچھیں تو مکمل طور پر مختلف جواب دے گا۔ اس وجہ سے ہم تمام ادیان میں مسیحیت کو عقلی طور پر نہیں سمجھ سکے۔[25]

اسلوبِ بیانی ردّ عیسائیت کے حوالے سے متکلمین کا مقبول ترین اسلوب رہا اور تقریباً تمام متکلمین کے ہاں رائج رہا۔ چھٹی صدی ہجری تک متکلمین نے درج بالا تین اسالیب میں سے کسی ایک اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے نصاری کے عقائد پر کاری ضربیں لگائیں۔ تاہم ضرورت کے وقت وہ دوسرے اسالیب کو بھی اختیار کرتے۔ مثلاً اسلوبِ بیانی میں نصاری پر تنقید کرنے والے بسا اوقات اسلوبِ عقلی کو بھی اختیار کرلیتے تاہم سابقہ اسلوب کے دائرے میں رہتے ہوئے

اسلوبِ عقلی کا استعمال تبعاً کیا جاتا۔ لیکن چھٹی صدی ہجری کے اوائل سے معاملہ ذرا مختلف ہو گیا اور متکلمین نے رد عیسائیت میں تمام اسالیب کو بیک وقت اختیار کرنے لگے۔ اور اس کی مندرج ذیل وجوہات تھیں:

- چونکہ چھٹی صدی کے اوائل میں متکلمین کی تالیفات عیسائیوں کی طرف سے اٹھائے گئے مختلف سوالات و الزامات کے جوابات کے مجموعے تھے۔ اور یہ الزامات مختلف عقلی اور نقلی مفروضوں پر قائم کئے گئے تھے۔ چنانچہ متکلمین کو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ وہ ان الزامات کا مختلف اسالیب میں جواب دیں۔
- زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ عیسائیت کے حوالے سے مسلمانوں میں کافی آگاہی آگئی تھی، اسی طرح متاخر زمانے کے متکلمین متقدمین کے لٹریچر سے مستفید ہو گئے تھے، چنانچہ رد عیسائیت کے حوالے سے اس فکری کشمکش میں مسلمانوں کی علمی وسعت بڑھ گئی اور وہ اس مقصد کے لیے کئی قسم کے اسالیب و وسائل کا ایک ساتھ استعمال کرنے لگے۔
- تمام فکری محاذوں پر شکست کھانے کے بعد آخری ایام میں عیسائی سکالرز زیادہ منظّم ہو گئے۔ چنانچہ جب عقلی محاذ پر انہیں شکست ہو جاتی، تو نقلی نصوص کے نیچے پناہ لیتے اور جب نقلی میدان میں شکست کھاتے تو اپنے عقائد کو عقلی انداز میں ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ اس وجہ سے متکلمین نے تمام محاذوں پر ان کا محاصرہ کرنے کے لیے تمام اسالیب کو اختیار کرنا شروع کر دیا۔

درجہ بالا اسالیب کا تنقیدی جائزہ

ردّ عیسائیت کے حوالے سے متکلمین کے اسالیب اور طریقہ استدلال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بسا اوقات عیسائیت کے اصل مراجع کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ مصادر عبری اور سریانی زبانوں میں تھے۔ اس وجہ سے ان مصادر سے استفادہ کرنا ان کے لیے ممکن نہیں ہو سکا۔ جہاں تک عہد نامہ قدیم و جدید کے عربی تراجم کا تعلق ہے تو وہ نسخے بھی اس وقت بہت کم مقدار میں دستیاب تھے۔ جس کی بنیادی وجہ عیسائیوں کی عربی زبان سے نامانوسیت تھی۔ چنانچہ اس وقت متکلمین کے نزدیک عیسائی لٹریچر کو سمجھنے کا زیادہ اہم ذریعہ وہ اہلِ کتاب تھے جو حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ بعض متکلمین کا اہل کتاب کے بعض رؤساء کے ساتھ علمی نوعیت کی نشست و برخاست تھی۔ چنانچہ یہ حضرات عیسائیت کے حوالے سے مسلم علماء کو بعض ایسی معلومات فراہم کرتے جو عموماً غیر موکد ہوتی۔ تاہم وہ انہیں حقائق سمجھ کر ان پر جوابی حجتیں قائم کرتے، جن میں جان نہیں ہوتی۔ چنانچہ ابن قیم اور ان سے پہلے ابن قتیبہ کے عبارات کا اگر جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی انجیل کے نصوص سے زیادہ مسلمان ہونے والے اہلِ کتاب پر اعتماد کیا ہے۔

نتیجتاً قدیم متکلمین سے ردّ عیسائیت کے حوالے سے بعض علمی تسامحات سرزد ہوئیں مثلاً آریوس جو کہ اپنے زمانے میں عیسائیوں کے سردار اور فرقہ آریوسیہ کے بانی تھے، کے بارے میں متکلمین کا اجماع ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰؑ بشر اور رسول تھے نہ کہ خدا۔ چنانچہ ابن قیم لکھتے ہیں: "نصاریٰ میں فرقہ اریوسیہ کا عقیدہ ہے اور اریوسیہ اریوس کے متبعین ہیں کہ مسیح تمام انبیاء کی طرح اللہ کے بندے ہیں، وہ ایک پیدا شدہ اور تربیت یافتہ مخلوق ہے، اور نجاشی کا مذہب بھی یہی تھا"۔[26] درحقیقت یہ اریوس کا عقیدہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ کہتا تھا کہ بیٹا جوہر کے اعتبار سے خدا کا ہمسر نہیں ہے اور نہ وجود میں اس کے مساوی ہے۔ جہاں تک تثلیث کا تعلق ہے، تو وہ ان کے نزدیک بھی تین اقانیم کا مجموعہ ہے۔ تو گویا کہ اس معاملے میں ابن قیم سے شدید علمی تسامح واقع ہوا ہے۔

ردِ عیسائیت کے حوالے سے متکلمین کے اسالیب میں سے اسلوب بیانی بہت ہی مقبول رہا۔ کیونکہ اناجیل کے

اندر الوہیت مسیح کے حوالے سے مشکوک فقرات کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ چنانچہ دوسرے عبارات کو سامنے رکھ کر ان کی بغیر کسی مشقت کے تاویل کرنا ممکن ہے جیساکہ امام غزالی نے اسی اسلوب کو اختیار کیا ہے۔

رد عیسائیت کے حوالے سے متکلمین کے درج بالا خدمات کا جائزہ لینے سے دو اہم چیزوں کا پتہ چلتا ہے۔ایک تو یہ کہ متکلمین نے عیسائی عقائد کے بنیادی کمزوریوں کو موضوعِ بحث بنایا ہے مثلاً اناجیل کے نصوص کی الوہیت مسیح پر عدم دلالت ، موجودہ عیسائیت دراصل سینٹ پال کی ایجاد ہے، بعض عیسائی عقائد رفع عیسیٰؑ کے کئی صدیوں بعد گھڑ لیے گئے۔ دوسری بات یہ کہ متکلمین نے سینٹ پال کی حقیقت کو آشکارا کرنے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیاحالانکہ موجودہ عیسائی مذہب کی حقیقت کو جاننے کے لیے یہ بہت ہی ضروری ہے۔ متکلمین کے پاس اس مہم کے لیے وسائل دستیاب نہیں تھے جن میں سے ایک عبری اور یونانی مذہب سے ان کی عدم واقفیت تھی جو کہ اس وقت عیسائی مذہب کے حوالے سے دستاویزی زبانیں تھیں۔

اب چونکہ مغرب نے اس مسیحی لٹریچر کی تحقیق کرکے اسے مختلف زبانوں میں پھیلادیا ہے۔ لہٰذا اس کی معرفت پہلے کی بہ نسبت زیادہ آسان ہو گئی ہے۔ بلکہ بعض مغربی سکالرز نے خود ان مبہم عقائد پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کتب کا اردو، عربی اور دوسری اسلامی زبانوں میں ترجمہ کیاجائے تاکہ عیسائیت کی موجودہ شکل کی حقیقت کا ادراک ہوسکے۔

نتائج

۱۔ رد مسیحیت کے حوالے سے متکلمین نے مسیحیت کے مراجع میں خصوصی طور پر اناجیلِ اربعہ کو اپنی تنقید کا محور بنایا جس کی بنیادی وجہ مسیحیوں کے ہاں اناجیل کی اہمیت اور اناجیلِ کے نصوص میں بعثتِ نبوی کے حوالے سے بشارتوں کا تذکرہ تھا۔

۲۔ ابتدائی دور میں اناجیل کے مندرجات کو سمجھنے کے لیے خود اہل کتاب کے علماء سے استفادہ کیا گیا۔

۳۔ مسیحی مراجع کا تنقیدی جائزہ لینے کے لیے مسلم سکالرز نے اسلوب محدثین ، اسلوب بیانی اور اسلوب عقلی کا سہارا لیتے ہوئے اناجیل کے راویوں ، واضعین اور مولفین نیز اناجیل کے نصوص کے اندر موجود تعارضات کو اشکارا کرنے کی کوشش کیں۔

۴۔ انیسویں صدی کے اوائل میں مسلم سکالرز کا مسیحیت کے حوالے سے یورپی تحقیقی منہج سے متاثر ہوئے۔

۵۔ سینٹ پال کے رسائل پر تاحال کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی ہے۔

۶۔ابتدائی دور میں عبری اور سریانی زبانوں پر دسترس نہ ہونے کی وجہ سے مسلم سکالرز مسیحیت کے اصل مراجع کی طرف کماحقہ رسائی حاصل نہیں کرسکے۔ جس کی وجہ سے قدیم متکلمین سے مسیحیت کے حوالے بعض قسم کے تسامحات سرزد ہوئیں۔

۷۔ مسلم سکالرز نے مسیحیت کے کئی کمزور پہلوں مثلا اناجیل کے نصوص کی الوہیتِ مسیح پر عدم دلالت اور، پولس کے تحریفات وغیرہ کو اجاگر کیا۔ تاہم وہ پولس کے رسائل پر کماحقہ توجہ نہ دے سکے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] ہندی، رحمت اللہ. اظہار الحق. ط: ۱۹۹۴ء، مکتبہ نعمانیہ، کراچی، 1/ 16-117

[2] رسالۃ بولس الی أھل رومیۃ، الأصحاح الخامس، ص10-11

[3] ابن قیم. هداية الحيارى في أجوبة اليهود والنصارى. تحقيق: محمد أحمد الحاج. ط1: 1996ء، دار القلم, السعودية, ص312

[4] ابن تيمية. الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح. تحقيق: علي بن الحسن وغيره. ط3: 1999ء, دار العاصمة, السعودية, 1/59

[5] القرآن الکریم، سورۃ المائدۃ :44

[6] القرآن الکریم، سورۃ المائدۃ : 47

[7] نصار، محمد عبد الستار. العقيدة الاسلامية (أصولها وتأويلاتها). ط: ۱۹۸۲ء، دار الكتب الكبرى، قاہرہ، 1/ 86

[8] Ernest Renan, The Life of Jesus . Prometheus Books, New York, 1991, P.36

[9] بدوی، عبد الرحمن. مناهج البحث العلمي. ط: ۱۹۶۳م، دار النهضة العربية، ص194-195

[10] ابن حزم. الفصل في الملل والأهواء والنحل. ط: ۱۳۲۱ھ، دار المعرفة للطباعة والنشر، بیروت، 2/3

[11] الفصل في الملل والأهواء والنحل، 2/4

[12] ایضاً، 2/2

[13] القرافي. الاجوبة الفاخرة في الرد على الأسئلة الفاجرة. تحقيق: مجدي محمد الشهاوي. ط1: 2005ء, عالم الكتب, بيروت ص30

[14] الشرقاوي، محمد عبد الله. منهج نقد النص. ط: 1998ء، مطبعة المدينة، المدينة المنورة، ص13

[15] منهج البحث العلمي، ص187-188

[16] الحسني، قاسم بن ابراهيم. الرد على النصارى. ط: ۱۹۹۰ء، دار الكتب الكبرى، القاهرہ، ص28

[17] الغزالي، الرد الجميل لإلهية عيسى بصريح الانجيل. تحقيق: محمد عبد الله الشرقاوي. ط3: دار الجيل, بيروت, ص8

[18] ایضاً، ص8

[19] ایضاً، ص20

[20] حلمی، عبد العزیز عبد الحق. مقدمة الرد الجميل للإمام الغزالي. ط: ۱۹۹۹م، دار الكتب الكبرى، القاهرہ، ص84

[21] ابن حزم، الفصل في الملل والأهواء والنحل، ص144

[22] ایضاً، ص151

[23] العقيدة الاسلامية (أصولها وتأويلاتها)، ص113

[24] أبو عثمان، عمرو بن بحر الجاحظ. الرد على النصارى. ط: ۱۳۸۲ھ، المطبعة السلفية ومكتبتها، ص18-19

[25] ایضاً، ص6

[26] هداية الحيارى، ص103